سلسلہ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۷۹

"الحسنین" کے تبصرہ کا علمی جائزہ

از قلم حقیقت رقم

سرکار سید العلماء علامہ الحاج سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ
مجتہد العصر مدظلہ

قیمت ۲ر

امامیہ مشن پاکستان

کے سلسلہ اشاعت کا ۹۷ واں شاہکار "الحسین" کے تبصرہ کا علمی جائزہ" آپ کے پیش نظر ہے۔ جسے "پیام اسلام" لکھنؤ کے محرم نمبر ۱۳۷۹ھ سے باصد شکریہ نقل کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

قارئین کرام جانتے ہونگے کہ کچھ عرصہ پہلے مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ "اردو" کراچی میں "الحسین" نامی کتاب پر تم۔ اے۔ ع (محمود احمد عباسی امروہوی) کے قلم سے نہایت دل آزار تبصرہ شائع کیا جس کے شائع ہوتے ہوئے ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ کے اخباروں میں کافی احتجاج ہوا۔ جلسے ہوئے، مظاہرے کیے گئے۔ قراردادیں پاس کی گئیں، علماء کرام کی طرف سے اس کی خرافات کے مدلل جوابات لکھے گئے لیکن یہ ضرورت ابھی باقی تھی کہ اس تبصرہ کا مناظرانہ پہلو سے الگ ہو کر علمی جائزہ لیا جائے۔

علمی حلقے اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ سرکار علامہ موصوف اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے حامی ہیں۔ لیکن جب یزیدیت کے پرستار اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئیں تو اس کے سوا اور کیا چارہ رہ جاتا ہے کہ خلق خدا پر حقیقت واضح کرنے کے لیے ان کا جواب لکھا جائے۔ ہم سرکار سید العلماء مدظلہ کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنے اس مضمون میں انتہائی اختصار کے باوجود نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس تبصرہ کا علمی جائزہ لیا ہے

افراد ملت کی خدمت میں استدعا ہے کہ اس کتابچہ کو مشن کے رعایتی نرخوں پر خرید کر کے مجالس و محافل میں مفت تقسیم کریں تاکہ یزیدی پروپیگنڈا کا احسن طریق پر تار و پود بکھر جائے۔

لاہور۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء

(جنرل سیکرٹری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالحق صاحب کے رسالہ "اردو" کے جنوری ۱۹۵۶ء کے شمارہ میں م۔ا۔ے۔ع (محمود احمد عباسی امروہوی) کے قلم سے عمر ابوالنصر کی کتاب "الحسین" کے ترجمہ مطبوعہ لاہور پر جو تبصرہ شائع ہوا ہے اس پر ہندوستان و پاکستان دونوں جگہ کے اخباروں میں کافی احتجاج ہو چکا ہے مگر اس احتجاج کی نوعیت اظہار کرب و تکلیف اور مظاہرۂ رنج و ملال سے زیادہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس تبصرہ کے مندرجہ مضامین کا علمی و تحقیقی جائزہ بھی لے لیا جائے ــــــ اسی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر اس وقت قلم اٹھایا جا رہا ہے۔

(۱)

تبصرہ نگار کا پہلا اعتراض یہ ہے۔ کہ "مولف نے ایک خاص فرقہ کے نظریہ کو پیشِ نظر رکھ کر اس تالیف کو مرتب کیا ہے۔ تحقیق و تفتیش سے مطلق سروکار نہیں رکھا۔ ابومخنف وغیرہ شیعہ راویوں کے بیانات ہی پر بھروسہ کیا ہے۔"

جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مولفِ کتاب (عمر ابوالنصر) خود شیعہ فرقہ

سے تعلق نہیں رکھتے جس کا خود ان کے نام سے ثبوت ملتا ہے
کیونکہ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ کہ کم از کم کئی سو برس سے
شیعوں میں عمر وغیرہ نام بالکل متروک ہو گئے ہیں۔ اور کوئی
شیعہ یہ نام نہیں رکھتا۔ تو اس کے بعد یہ تصور کہ انہوں نے
اپنی کتاب ایک خاص فرقہ کے نظریہ کے مطابق لکھی ہے۔
مضحکہ خیز ہے۔ بلکہ انصاف کی دنیا میں یہی نتیجہ صحیح سمجھا جا سکتا
ہے۔ کہ مولف کے جمہوری نقطۂ نظر کے باوجود اگر اس کے مضامین میں
کچھ اقلیتی نقطۂ نظر کی جھلک پیدا ہو گئی ہے۔ تو یہ مولف کی آزاد فکری
وسیع المشربی اور صفائی دل و دماغ کی دلیل ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں
کہ انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں تنگ نظری کو صرف کر کے تعصب سے
کام نہیں لیا ہے۔ اور بہت حد تک حقیقت پسندی کو پیشِ نظر رکھا ہے
خصوصاً جب کہ انہوں نے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ اس کتاب میں وہ واقعات
درج کیے جائیں گے جن کی ثقہ مورخین اور مشہور و معروف مؤلفین نے تائید
کی ہے۔ چنانچہ اپنے ماخذوں میں گیارہ عربی اور پانچ یورپی مورخین اور مولفین
کی فہرست دی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ کتابیں اور ان کے مولفین جن میں ابن اثیر
بلاذری وغیرہ کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام یا برٹینیکا بھی شامل ہیں۔
کسی حساب سے شیعہ نہیں ہیں۔ اب یا تو تبصرہ نگار کو ثابت کرنا چاہیے کہ مولف
نے جو کچھ درج کیا ہے۔ وہ ان ماخذوں کے خلاف ہے۔ مگر ایسا نہ تبصرہ نگار
نے ثابت کیا ہے۔ اور نہ ثابت کر سکتا ہے۔ یا پھر اس اعتراض کو غلط

ماننا چاہیے۔ کہ مولف نے تمام تر ایک فرقہ کے نظریہ کو پیشِ نظر رکھ کر کتاب تالیف کی ہے۔ جبکہ اس نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ وہی ہے۔ جن کے شواہد ان ماخذوں میں موجود ہیں۔ اور یہ ماخذ کسی ایک فرقہ کے نظریہ کو پیشِ نظر رکھ کر نہیں لکھے گئے، تو جو کتاب انہی ماخذوں سے ماخوذ ہے۔ اسے ایک فرقہ کے نظریہ کا ترجمان کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔

(۲)

تبصرہ نگار کو دوسری شکایت یہ ہے۔ کہ مولف نے کتاب کو (۱۴۳) عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے۔ جس میں پہلا ہی عنوان ہے۔
"خلافت پر اہل بیت کا حق"

وہ کہتے ہیں کہ "مولف کی یہ سراسر غلط بیانی ہے۔ اور اس غلط بیانی کی پوری تکذیب خود اس کے ماخذ طبری کی روایتوں سے ہو جاتی ہے۔" اس کے بعد انہوں نے ایک مفروضہ روایت درج کی ہے۔ کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؑ سے قبل وفات رسولؐ کہا تھا کہ آئیے چلیں اور ان سے پوچھیں کہ یہ امر (خلافت) کن میں ہو گا۔ اس پر حضرت علیؑ نے کہا تھا۔ واللہ اس بات کو ہم رسول اللہؐ سے ہرگز نہ پوچھیں گے۔ کیونکہ اگر انہوں نے منع کر دیا تو پھر کبھی ہمیں لوگ نہیں ہونے دیں گے اور واللہ میں تو اس کے بارے میں ہرگز رسول اللہؐ سے نہیں پوچھوں گا۔ وہ کہتے ہیں کیا ان روایتوں سے جو خود مولف ہی کے ماخذ میں موجود ہیں۔ ان کے اس بیان کی کہ "خلافت اہل بیت کا حق تھا" پوری تردید نہیں ہو جاتی۔

مگر جو شخص احادیث و سیر پر مطلع ہو وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ روایت اس سے قوی تر بلکہ متواتر احادیث و روایات کے خلاف ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعدد صورتوں سے اہلبیت طاہرین اور بالخصوص حضرت علی بن ابی طالبؑ کے ولی امر ہونے کا اعلان فرماتے رہے تھے پھر اس صورت میں جناب عباس کیوں کہتے کہ اسے رسول اللہؐ سے پوچھ لینا چاہیے اور حضرت علیؑ کیوں یہ جواب دیتے۔

اس کے علاوہ اہلبیت کا اس امر (خلافت) میں حق وہ خود طبری کی اس روایت سے ثابت ہے۔ جو صفحہ ۲۰۲ پر درج ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے خلیفۂ اول ابوبکر سے کہا۔ کنا نرٰی ان لنا فی ھٰذا الامر حقا فاستبددتم به علینا ثم ذکر قرابته من رسول الله صلی الله علیه وسلم وحقه

"ہم برابر یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اس امر (خلافت) میں ہمارا حق ہے۔ مگر تم نے ہمارے خلاف استبداد سے کام لیا" اس ذیل میں آپ نے رسولؐ سے اپنی قرابت اور اپنے حق کا تذکرہ کیا۔

فلم یزل علیّ یقول ذالک حتیٰ بکیٰ ابوبکر

"برابر حضرت علیؑ اس بارے میں کہتے رہے یہاں تک کہ ابوبکر رونے لگے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اہل بیت کا حق وہ تھا جسے صراحت کیساتھ حضرت علیؑ نے خلیفۂ اول کے سامنے بیان کیا۔ اور اس کا اُنکے پاس کوئی جواب سوا رونے کے نہ نکلا اب اس دور کے گواہ مدعی سے زیادہ چست نکلے ہیں جو اہلبیت کے حق ہی کو جھٹلانے کی جسارت کر رہے ہیں اب جب تبصرہ نگار کی درج کردہ روایت کی

تمدید خود اسی ماخذ میں موجود ہے۔ تو مولف الحسین اس روایت کی طرف توجہ ہی کیونکر کر سکتے تھے۔

اس ذیل میں لکھنؤ کے مشہور رسالہ نگار میں خلافت و امامت[1] کے سلسلہ وار مضامین کا پڑھنا مفید ہوگا۔ جن کا آغاز "ہرنام" "ایک ہندو کے نام سے ہوا تھا۔ اور ہرنام نے بدلائل ثابت کیا تھا۔ کہ رسولؐ اللہ کی جانشینی کا حق صرف علیؑ بن ابی طالب کا تھا اس پر جناب نیاز فتحپوری کا محاکمہ ایک غیر جانبدار کی حیثیت سے کیونکہ موصوف چاہے سنی نہ بھی سمجھے جائیں لیکن شیعہ تو بہرحال نہیں ہیں۔ خاص وقعت و اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے فروری ۱۹۳۶ء کے شمارہ میں لکھا ہے۔

"ہرنام کا استدلال دو باتوں پر مشتمل تھا۔ ایک یہ کہ جناب امیرؑ اپنے خصائل و عادات کے لحاظ سے بھی مرجح حق خلافت کا رکھتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ خود رسولؐ اللہ نے بھی غدیر خم میں اور اس کے قبل و بعد متعدد بار اپنے بعد ولایت و وصایت علیؑ کی صراحت ذاتی تھی اس سلسلہ میں فاضل مقالہ نگار نے تمام روایات و اسناد وہی پیش کیے تھے۔ جو اہل تسنن کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور اس لیے سنیوں کیطرف سے جواب کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ وہ سرے سے ان روایات کے وجود ہی سے انکار کریں یا یہ کہ وہ ان روایتوں کا مفہوم اور بتائیں۔ ظاہر ہے کہ اول صورت جواب کی اختیار نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ روایات تو کتابوں سے نکالی نہیں جا سکتیں۔ اس لئے عموماً دوسری صورت اختیار کی جاتی ہے یعنی بعض تو ان روایتوں کو ضعیف قرار دے کر ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں۔ اور بعض الزامی جواب کے انداز میں ان احادیث کو پیش کرتے ہیں

[1] یہ کتاب عنقریب مکتبہ امامیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔

جو فضائل جناب شیخین میں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

درآنحالیکہ ان دونوں میں سے کوئی طریقہ جواب کا مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ جن روایتوں کو آج ضعیف کہہ کر ناقابلِ اسناد قرار دیا جاتا ہے۔ وہ قدما کے نزدیک صد درجہ قابل وثوق سمجھی جاتی تھیں۔ اور فضائل شیخین کو جناب امیرؑ کے حق ولایت و خلافت سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ آپ کی فضیلت نہ دوسرے کی فضیلت سے انکار کی مرادف ہوا کرتی ہے۔ اور نہ اس سے کسی دوسرے کا حق محو ہو سکتا ہے پھر آخر میں ہر دلیل پر بحث کے بعد لکھا ہے۔

۱۷ اس میں شک نہیں کہ ان روایات و واقعات سے نہ صرف یہ کہ جناب امیرؑ کی غیر معمولی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ بڑی حد تک یہ بھی کہ رسول اللہؐ اپنے بعد آپ ہی کو جانشین بنانا چاہتے تھے۔

تیسر جولائی ۱۹۳۶ء کے شمارہ میں لکھا ہے۔

"یقیناً حضرات شیعہ اس اعتقاد میں حق بجانب ہیں کہ رسول اللہؐ جناب امیرؑ کی خلافت چاہتے تھے اور اپنی اس خواہش کا آپ نے اظہار بھی فرما دیا تھا۔ اہلسنت دیگر خلفاء کے صرف فضائل بیان کر کے اس حقیقت کو مٹانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ سوال خلافت کا ہے نہ کہ محض فضیلت کا اسی کیساتھ اہل سنت کا مناظر ان پہلوؤں کی لئے اور بھی زیادہ کمزور ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اُسے شیعہ روایات سے ثابت نہیں کر سکتے اور شیعہ حضرات خود اہلسنت کی روایات سے حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کو ثابت کر دکھاتے ہیں اب ایک مسلمان کی نظر میں تو رسول اللہؐ کا منشا ثبوت استحقاق کے لئے کافی ہے اس لئے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ اہل بیتؑ کے استحقاق کے لئے

خود خلیفۂ دوم جناب عمر اور ارکانِ شوریٰ (جسے خلیفہ دوم نے اپنے بعد کے لیے مقرر کیا تھا) کے بھی اعترافات موجود ہیں۔

(۳)

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مولف نے جا بجا حضرت معاویہ جیسے صحابی پر سب و شتم کرنے سے بھی اجتناب نہیں کیا۔

جہاں تک ہم نے "الحسین" کے اندازِ تحریر کو دیکھا ہے اس میں متانت و شائستگی کو ہاتھ سے نہیں دیا ہے۔ رہی کسی کے افعال پہ بحث اور اس پر نقد و جرح اسے مطلقاً سب و شتم میں داخل کرنا قرآن و حدیث کی روشنی میں قطعاً درست نہیں ہے۔ رہ گیا معاویہ کو بزرگ صحابی کہنا تو یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ موصوف کا اصطلاحی معنی میں صحابی ہی ہونا ثابت نہیں ہے "بزرگ صحابی" ہونا تو بہت دور ہے جس پر علامہ محمد بن عقیل حضرمی نے اپنی کتاب "النصائح الکافیہ لمن یتولی معاویہ" میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۴)

تبصرہ نگار قطراز ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمر نے ابن الزبیر اور حسینؑ دونوں سے فرمایا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو"

ہم نہیں کہہ سکتے کہ عبداللہ بن عمر نے ایسا کہا تھا یا نہیں بالفرض اگر کہا ہو تو چاہے تبصرہ نگار اپنے خلیفہ زادہ کی عظمت کے اظہار کے لیے ان کے قول کو بڑی اہمیت کیساتھ درج کرے مگر ہم ادب کیساتھ عرض کریں گے کہ خود جناب عبداللہ بن عمر کے امر کی روشنی میں ان کے قول کا وزن باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ خود انہوں نے اس کے پہلے حضرت علی بن ابی طالبؑ ایسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد کی بیعت نہیں کی اور اسی بارے میں اللہ سے نہ ڈرے اور مسلمانوں کی جماعت

تفرقہ سے اجتناب کیا پھر یہ واقعہ ہے۔ کہ خود بعیت یزید سے انکار کرنے والوں میں ابتداً یہ جناب عبداللہ بن عمر بھی تھے ۔ اور معاویہ کی تمام کوششوں کے باوجود انہوں نے بعیت نہیں کی اور پھر یزید کے برسراقتدار آنیکے بعد بھی وہ بعیت سے کنارہ کش ہی رہے یہانتک کہ امام حسین ؑ شہید ہوگئے جب حضرت کی شہادت ہوگئی اس وقت عبداللہ بن عمر نے بعیت کرلی اور اس سے واضح ظاہر ہے۔ کہ حق وانصاف کی رو سے وہ بعیت یزید کو باطل اور انکار بعیت کو حق ہی سمجھتے تھے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ شہادت امام حسین ؑ کو دیکھکر وہ دہشت زدہ ہوگئے۔ یہ سمجھنا چاہیئے کہ انکار بعیت تو اللہ کیسے ڈر سے تھا اور اب جو بعیت فرمائی وہ تلوار کے ڈر سے پھر کیا یہی کردار ہوسکتا ہے جسے حضرت امام حسین ؑ ایسے بطل جلیل کے سامنے بطور مثال پیش کیا جائے۔

———(۵)———

تبصرہ نگار کا ارشاد ہے کہ:-

"حضرت حسین ؑ کے بزرگوں عزیزوں، دوستوں اور ہمدردوں نے انہیں طرح طرح سمجھایا تھا۔ منع کیا تھا۔ خطرات سے آگاہ کیا تھا" ہم نہیں سمجھتے کہ یہ بزرگ کون ہیں عزیز کون ہیں دوست کون ہیں اور ہمدرد کون؟ جن لوگوں کے مشورے تاریخ میں مذکور ہیں وہ دیئے گئے۔ چند آدمی ہیں (۱) محمد بن حنیفہ (۲) عمر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی (۳) عبداللہ بن عباس (۴) عبداللہ بن زبیر (۵) عبداللہ بن جعفر۔

یہی گنے چنے اشخاص ہیں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ تبصرہ نگار نے ان میں سے کس کو امام حسین ؑ کا بزرگ قرار دیا ہے۔ کسے عزیز کسے دوست اور کسے ہمدرد ۔ بہرحال ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ رائے نہیں دی کہ یزید کی بعیت کرلی جائے بلکہ سوال صرف قیام مکہ قیام مدینہ یا

سفر عراق یا کسی اور جانب توجہ کا تھا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ یزید کی بیعت کو سب ہی ناجائز سمجھتے تھے۔

(۶)

تبصرہ نگار نے بڑی جسارت کیساتھ یہ ادعا کر دیا ہے کہ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس ــ
"سن و سال کے اعتبار سے رسول اللہؐ کے شرفِ صحبت کے لحاظ سے اپنے علم و فضل، اتقاء و پرہیزگاری کے اعتبار سے حضرت حسینؑ اور ابن الزبیر سے بدرجہا فائق تھے"۔

معلوم نہیں تبصرہ نگار نے فوقیت کا پیمانہ کیا قرار دیا ہے؛ اور کیا معیار ہے جس سے فوقیت کی جانچ کرتے ہیں صرف سن و سال تو ظاہر ہے کسی فریق نے معیارِ فوقیت قرار نہیں دیا ہے ورنہ ابو قحافہ کی موجودگی میں خلافت ان کے فرزند کو کس طرح مل سکتی تھی اور اگر شرفِ صحبت کو بھی سن و سال ہی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی جناب ابو قحافہ کے شرفِ صحبت کو مافوق ماننا پڑے گا۔ رہ گئے دوسرے اوصاف و فضائل۔ ان کے لحاظ سے ہم نہیں جانتے کہ پیغمبر خداؐ کے احادیث سے زیادہ کوئی معیارِ تفوق کسی مسلمان کی نظر میں ہو۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ ہر ایک کے مراتبؓ اوصاف کی مقدار کو چودہ سو برس کے بعد پیدا ہونے والے عباسی صاحب سے زیادہ جانتے تھے۔ آنحضرتؐ نے کچھ سمجھ کر فرمایا تھا "الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ" اس کے بعد شیعوں کا ذکر نہیں جو عبداللہ بن عمر کے اہل الجنۃ میں داخل ہونے ہی کو تسلیم نہ کریں گے، دوسرے فرقہ کے افراد جو انھیں جنتی تسلیم کرتے ہیں انھیں حضرت امام حسینؑ کے تحت سیادت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

(۷)

حبر الامہ عبداللہ بن عباس کے متعلق یہ حکایت کہ انھوں نے یزید کی معاذاللہ بیعت کی تھی اور یہ کہ انھوں نے یزید کو "صالح و نیکوکار" بتایا ہے بالکل غلط ثابت ہوتی ہے

ان کے اس خط سے جو انھوں نے یزید کے نام لکھا ہے اور جسے ابن اثیر وغیرہ مورخین نے درج کیا ہے۔ اس میں انھوں نے انتہائی جرأت سے کام لیکر خود یزید کو مخاطب کر کے لکھ دیا ہے کہ۔ "مجھے اپنی جان کی قسم ہے میں نے کبھی تمھاری تعریف نہیں کی اور کبھی تم سے محبت کا دم نہیں بھرا۔" نیز اس خط سے اس کی بھی رد ہو جاتی ہے کہ ابن عباس معاذاللہ تفرقہ پردازی کا ذمہ دار امام حسینؑ کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے صاف یزید کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔" کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس بات کو بھلا دوں گا کہ تم نے حسینؑ کو قتل کیا۔ میں نہیں بھولوں گا۔ اور کبھی نہ بھولوں گا۔ یہ کہ تم نے حسینؑ کو حرم خدا اور حرم رسولؐ سے نکالا اور تم نے ابن مرجانہ کو حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔ میں تو خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ منتقم حقیقی بہت جلد تمھاری گرفت کرے گا اور اپنے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔"

یہ خط کافی طولانی ہے بہ نظر اختصار چند سطور کے نقل کرنے پر اکتفا کی گئی۔

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب یہ خط یزید نے پڑھا تو سخت برافروختہ ہوا اور ابن عباس کے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر ابن زبیر کے ساتھ معرکہ جنگ میں مشغول ہو کر قتل ابن عباس کی تدبیر نہ کر سکا۔ کیا اس خط کے بعد کسی سلطنت دمشق کے نمک خوار کا یہ حکایت تصنیف کرنا کہ ابن عباس نے یزید کی بیعت کی اور اسے "صالح ونیکوکار" کہا، صریحی جھوٹ ثابت نہیں ہوتا؟

(۸)

عباسی تبصرہ نگار کا ایک ہوئی (دمشقی شامی) مورخ کے یہاں سے ڈھونڈ کر محمد بن الحنفیہ کی زبان سے یزید کی پابندئ شرع، نیکوکاری اور دینداری کی تعریف نکال لینے سے اس حقیقت پر کیونکر پردہ پڑ سکتا ہے جو تواتر تاریخی سے ثابت ہے کہ مختار نے یزید کے مقابلہ میں جو خون امام حسینؑ کے

انتقام کا علم بلند کیا تھا، وہ جناب محمد بن الحنفیہ کے نائب کی حیثیت سے۔ یہ ممکن ہے کہ اس خط کو تسلیم نہ کیا جائے جو محمد بن الحنفیہ کی طرف سے ابراہیم بن مالک اشتر کے نام لکھا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ امر مسلمہ ہے کہ محمد بن الحنفیہ کی امداد کے لیے ابن زبیر کے مقابلہ میں مختار ہی کی فوج گئی تھی۔ اور جناب محمد بن الحنفیہ نے ان کی امداد قبول کی تھی اور ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا تھا۔ نیز وہ برابر مختار کے حالات کے جویا رہتے تھے۔

اگر یہ واقعہ ہوتا کہ محمد بن الحنفیہ نے معاذ اللہ یزید کی بیعت کی ہوتی اور وہ اسکے مداح ہوتے تو بھلا مختار کے لیے یہ کیونکر ممکن ہوتا کہ وہ ان کی نیابت کے مدعی ہو سکتے اور پھر یزید کی طرف سے مختار کے پروپیگنڈے کو غلط ثابت کرنے کیلئے کیوں نہ جناب محمد بن الحنفیہ کو دعوت دی جاتی کہ وہ کھلم کھلا مختار سے برائت کا اعلان کر دیں بلکہ مختار کے مقابلہ میں عملی سرگرمیوں میں شریک ہوں۔ یہ کچھ نہ ہوا اور کئی سال تک مسلسل جناب مختار کی سرگرمیوں کا بنام محمد بن الحنفیہ جاری رہنا اسکا ثبوت قطعی ہے کہ انکی طرف یزید کی بیعت اور مدح کی نسبت صریحی بہتان اور عظیم افترا ہے جو یزید کے بعض پرستاروں کی طرف سے حرکت مذبوحی کے طور پر وجود میں آیا ہے اور اسی لیے طبری۔ ابن اثیر، ابوالفدا دینوری ابن قتیبہ، ابن واضح مسعودی سیوطی وغیرہ کسی مورخ نے اسکی طرف کوئی اعتنا نہ کی اور صرف دمشق کی سرزمین پر وہ حکایت تصنیف ہو کر وہیں کی لکھی جانے والی تاریخ میں محدود ہو کر رہ گئی لیکن تیرہ سو برس کے مورخین نے اسے ہرگز قابل قبول نہیں سمجھا۔

(۹)

کسی کی یہ گواہی یزید کے حق میں کہ "وہ نماز کی پابندی کرنیوالا، نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا سنت نبوی کا التزام رکھنے والا ہے، کیا وزن رکھتی ہے جب کہ اس کے خلاف (۱) خود یزید کے پدر مشفق جناب معاویہ کی گواہی ہے کہ لولا ھوای فی یزید لابصرت طریق الرشاد "اگر یزید کی محبت نہ ہوتی تو میں سیدھا راستہ اختیار کر لیتا"

جیسے علامہ ابن حجر مکی نے فضائل معاویہ کی کتاب (تطہیر الجنان واللسان) میں درج کرتے ہوئے اسکی تشریح کی ہے کہ یزید کی محبت نے انھیں راہِ راست سے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ انھوں نے اس فاسق و فاجر کو ولیعہد بنا کر مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیا۔

(۲) یزید کے (ادعا کردہ) چچا زیاد بن امیہ کی گواہی ہے۔ ان یزید صاحب رسلة وتهاون مع هنات وهنات۔ "یزید لا ابالی اور مطلق العنان، ناگفتہ بہ کردار والا ہے۔"

(۳) یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کی گواہی ہے جو اس نے بر سر منبر دی کہ "یہ منصب میرے والد کو پہنچا اور وہ بھی اسکے مستحق نہ تھے، اب انکی عمر ختم ہو گئی اور وہ قبر میں اپنے گناہوں کی قید میں پہنچ گئے سب سے بڑی مصیبت ہمارے لیے اس امر کا احساس ہے کہ انکا انجام برا ہوا۔ انھوں نے اولادِ رسول کو شہید کیا، اور شراب کو مباح کر دیا اور کعبہ کو برباد کر دیا۔

(۴) خود یزید کی گواہی ہے کہ جو اسکے اشعار میں درج ہے اور اس کا وہ دیوان مصر میں طبع ہو چکا ہے اور ہمارے سامنے موجود ہے اس میں اس نے اپنی شراب خوری ہی کا پروپیگنڈا کیا ہے پرہیزگاری کا نہیں۔

(۵) صحابیٔ رسول عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی گواہی ہے کہ "اس کا کوئی مذہب نہیں، وہ شراب پیتا ہے طنبورہ بجاتا ہے گانے والیوں سے گانا سنتا رہتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔" نیز یہ کہ "وہ ایسا شخص تھا جو ماں بہنوں، بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا، شراب پیتا اور نماز ترک کرتا تھا۔"

(۶) منذر بن زبیر کی گواہی ہے کہ "وہ شراب پیتا ہے اور مست ایسا ہوتا ہے کہ نماز ترک کر دیتا ہے۔"

(۷) بنی امیہ کے خلیفہ صالح عمر بن عبد العزیز کی گواہی ہے جس کے سامنے کسی نے یزید کے نام کے ساتھ "امیر المومنین" کا لفظ کہہ دیا۔ تو انھوں نے اسے بیس تازیانوں کی سزا دی۔ (۸) اسکے علاوہ تیرہ سو برس کے تمام مورخین کی گواہیاں ہیں جنھوں نے اسکے فسق و فجور کے واقعات تفصیل کیسا تھ درج کیے ہیں انکے مقابل میں دمشق (دار السلطنت یزید) کے ایک نفر لکھنے والے کی درج کردہ حکایت کا سہارا لینا ڈوبتے کو تنکے کا

سہارا نہیں تو اور کیا ہے؟

(۱۰)

عباسی نظریہ نگار آجکل کے اپنے ایسے ایک مصری مورخ کے اس جسارت آمیز فقرہ کو بڑی اہمیت دے رہا ہے کہ حسینؑ نے بڑی شدید غلطی اپنے خروج میں کی "نعوذ باللہ من ذالک" لیکن ہم خروہ اسکے بالمقابل اسی دور کے اہل الرائے کے آراء کو کیوں نہیں دیکھتے اور انکی روشنی میں کیوں فیصلہ نہیں کرتے مثلاً (۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی رائے۔

"معاویہ کا یزید کو اپنے بعد حاکم بنانا کسریٰ اور قیصر کا طریقہ ہے ہم ہرگز اس شرابی و زانی کی بیعت نہ کرینگے"

(۲) ام المومنین عائشہ (معاویہ سے مخاطب ہو کر) کیا تم سے پہلے شیخین نے بھی اپنے بیٹوں کے لیے کبھی بیعت لی تھی؟ تم کس کی پیروی کرتے ہو؟

(۳) حسن بصری۔ معاویہ کی چار باتیں وہ ہیں جن میں سے ایک بھی ہلاکت کے لیے کافی ہے اول انھوں نے زور شمشیر خلافت حاصل کی درآنحالیکہ اسوقت اصحاب رسولؐ میں ان سے افضل لوگ موجود تھے۔ دوسرے اپنے بعد اپنے بیٹے کو جو شراب خوار نشہ باز تھا اور خلاف شریعت محمدی ریشم پہنتا اور طنبور بجایا کرتا تھا مسلمانوں کا خلیفہ بنایا تیسرے زیاد کو اپنا بھائی ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اسی کا ہوسکتا ہے جو اصلی شوہر ہو اور زناکار کے لیے پتھر ہیں چوتھے حجر اور اصحاب حجر کا قتل۔

(۴) یزید کا چچازاد بھائی ولید بن عقبہ بن ابوسفیان (حاکم مدینہ) "جو شخص حسینؑ کے خون کی ذمہ داری لیکر خدا کے یہاں جائیگا اس کے اعمال خیر کا پلہ انتہائی سبک ہوگا۔"

(۵) تمام عالم اسلامی نے امام حسینؑ کے اقدام اور ان کے نتیجہ کو کس نظر سے دیکھا اس کے لیے خود یزید کی گواہی موجود ہے کہ قتل حسینؑ کے جرم کو سنگین سمجھ کر نیکوکار اور بدکار سب ہی آدمی مجھ کو دشمن رکھنے لگے ہیں۔"

(۶) اس بحث کے خاتمہ پر آخر میں پھر حبر الامۃ عبداللہ بن عباس کی شہادت درج کی جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ حضرت امام حسینؑ پر خروج کا الزام ہی غلط ہے۔ بلکہ جب آپ مکہ میں پُرامن طور پر مقیم تھے اسی وقت یزید نے آپ کے خون بہانے کا انتظام کر دیا تھا۔

اس خط میں جو انھوں نے یزید کے نام تحریر فرمایا تھا لکھا ہے کہ "تم نے اپنے آدمیوں کو حرم الٰہی میں خانہ کعبہ کے پاس بھیجا کہ حسینؑ کو حرم خدا میں کعبہ الٰہی کے پاس ہی قتل کر ڈالیں اور تم برابر حسینؑ کو خوف دلاتے اور پریشان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ تم نے حسینؑ کو عراق جانے پر مجبور کر دیا یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ تمہارے دل میں عداوتِ الٰہی، دشمنیٔ رسولؐ اور ان کے اہل بیت اطہارؑ کا جس کی شان میں خدا نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی بغض بھرا ہوا ہے۔"

اس سب کے بعد حضرت امام حسینؑ کو موردِ الزام وہی سمجھ سکتا ہے جس کا سلسلۂ نسب کسی طرح یزید اور آلِ یزید تک پہنچتا ہو، یا اُن نمک خواروں تک جن کا گوشت و پوست بنی امیہ کے ہاں کے حرام لقموں ہی سے پیدا شدہ ہوا تھا۔ اور یہ اُنھی لقموں کا اثر ہے جو اب تک کسی نہ کسی شکل میں سامنے آیا کرتا ہے۔